۱۲ ربیع الاول کے دن روزہ رکھنے کے
جوازی دلائل پر مشتمل ایک مفید فتویٰ

عید کا روزہ؟

حضرت علامہ محمد اکمل عطاؔ قادری عطاری

مکتبہ اعلیٰ حضرت
لاہور پاکستان

پیش لفظ

بسا اوقات انسان اپنی عدم توجہی یا جہالت کی بناء پر کسی غلط بات کے دُرست ہونے کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے اور خود کو اس دعوے میں بجانبِ حق تصور کرتے ہوئے اپنے موقف پر ڈٹ جاتا ہے۔ اس کا نقصان فقط اس کی ذات کو ہی نہیں بلکہ اس سے تعلق رکھنے والوں کو بھی پہنچتا ہے کیونکہ وہ بھی اس کی نسبت سے اسی غلط موقف کو حق تصور کر کے ناحق کو حق اور حق کو ناحق ثابت کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

ایسے موقع پر سعادت مندی کی علامت ہے کہ اگر کوئی درست وحق بات ثابت کر دے تو چاہے خلافِ مزاج ہی کیوں نہ ہو اسے قبول کر لیا جائے نہ صرف خود بلکہ جن جن لوگوں کو غلط راہ پر گامزن کیا تھا، انہیں بھی درست راستے پر چلنے کی تلقین کی جائے اور اس فعل میں کسی قسم کی عار و بے عزتی نہ محسوس کی جائے۔

اس رسالے میں ایک ایسی ہی غلط فہمی میں مبتلاء شخص کی اصلاح کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

خادم مکتبہ اعلیٰ حضرت (قدس سرہ)

محمد اجمل عطاری

۱۳ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ 16 اپریل 2003ء

بسمِ اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ بارہ ربیع الاوّل کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟ زید اس دن روزہ رکھنے کو اس دلیل کے ساتھ ناجائز قرار دیتا ہے کہ یہ دن مسلمانوں کیلئے عید کا دن ہے اور عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں، کھایا پیا جاتا ہے، نہ کہ روزہ رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ کھائیں، پئیں اور نئے یا پرانے صاف ستھرے لباس پہنیں، لیکن روزہ نہ رکھیں، بلکہ وہ اس منع کرنے میں انتہائی شدت سے کام لیتا ہے۔ زید کی 'دلیل' اور 'روزے سے روکنے' کی شرعی حیثیت بھی واضح کی جائے۔ (سائل: سلیم خان۔ محمود آباد۲۔ حقانی مسجد۔ نزد گرین بیلٹ۔ کراچی)

الجواب بتوفیق الوھاب

اس دن روزہ رکھنا بالکل جائز اور بہ نیتِ حسن، مستحب و باعثِ نزولِ رحمت وسببِ حصولِ برکت ہے۔ زید کا اس دن روزے سے روکنا بلکہ اس منع کے ساتھ ساتھ شدت وسختی اختیار کرنا خلافِ شرع اقدام ہے، جس سے بچنا لازم اور ارتکاب پر توبہ واجب ہے۔ درجِ ذیل دلائل پر قبولِ حق کی نیت سے غور وتفکر اِن شاءَ اللہ عزَّ وجلّ مسئولہ مسئلے کی شرعی حیثیت کو بالکل واضح کردے گا۔

پہلی دلیل

ورودِ شرع کے بغیر کسی شے یا فعل کو ناجائز قرار دینا شریعتِ مطہرہ پر افتراء اور قلب کے خوفِ خدا (عزَّ وجلّ) سے محروم ہونے یا جہالت میں ابتلاء کی دلیل باہرہ ہے کیونکہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ حصولِ منافع کے اعتبار سے تمام اشیاء میں اصل' اباحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا (پ۱۔ بقرہ:۲۹)

وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

والفقھاء رحمھم اللہ استدلوا بہ علی ان الاصل فی المنافع الاباحۃ

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مذکورہ آیتِ پاک سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ منافع میں اصل اباحت ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں، ممنوع وہی ہے جسے خدا اور سول منع فرمائیں (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)، بے ان کی نہی (یعنی منع فرمانے) کے کوئی شے ممنوع نہیں ہوسکتی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۸ جدید، ص ۴۷۷) **مزید** ارشاد فرمایا، اصل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت وحلت ہے، جب تک نجاست یا حرمت معلوم نہ ہو حکم جواز ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰ قدیم، ص ۱۷۷)

بغیر دلیل کسی چیز کو ناجائز وحرام کہنے کی ممانعت فرماتے، بلکہ اسے معصیت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں، اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک شرع سے تحریم ثابت نہ ہو، اس پر جرأت ممنوع ومعصیت ہے۔ کچھ آگے علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لا بدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰ قدیم، ص ۱۸۱)

احتیاط (کسی چیز کے بارے میں بلا دلیل) حرمت وکراہت ثابت کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے میں نہیں کیونکہ ان کیلئے دلیل ضروری ہے، بلکہ احتیاط اباحت کے قائل ہونے میں ہے جو کہ اصل ہے۔

امام کیلئے خطبوں کے درمیان دعا کے جواز کے بارے میں سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں، امام کیلئے تو اس دعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، جس کیلئے نہی شارع (یعنی شارع کی جانب سے ممانعت کا) نہ ہونا ہی سندِ کافی۔ (ایضاً)

مزید ارشاد فرماتے ہیں، جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا، ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا، جو ادعائے منع (یعنی ممانعت کا دعویٰ) کرے، اثباتِ ممانعت اس کے ذمہ ہے۔ (ایضاً)

ایک اور مقام پر صراحۃً رقم طراز ہیں، جب تک کسی فردِ خاص سے متعلق خاص طور پر ممانعت وارد نہ ہو تو ایسے مقام میں راہ (یعنی درست طریقہ) یہ نہیں کہ جائز کہنے والے سے خصوصیت کا ثبوت مانگیں، بلکہ راہ یہ ہوگی کہ اس فردِ خاص سے متعلق ممانعت کی صراحت' شریعت سے نکالیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۹ جدید، ص ۵۸۱)

ایک اور جگہ تحریر فرمایا، ادعائے بے دلیل (یعنی بغیر دلیل کے دعویٰ کرنا) محض باطل وذلیل۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۹ جدید، ص ۲۵۶)

پھر ادلہ شرعیہ چار ہیں: (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (٤) قیاس۔

ماقبل مذکورہ تفصیل کی روشنی میں معترض سے سوال کیا جانا چاہئے کہ ان ادلہ اربعہ میں سے کس دلیل کی بناء پر بارہ ربیع الاوّل کا روزہ ناجائز قرار دے رہا ہے؟ اگر ان آخذِ مذکورہ میں سے کسی سے بھی دلیل لانے میں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو پھر اسے درجِ ذیل آیات اور حدیثِ مبارکہ یاد رکھنی چاہئیں۔

یا یھا الذین آمنوا لا تحرموا طیبٰت مآ احل اللّٰہ لکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین

ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤوہ ستھری چیزیں جو کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو، بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔ (پ۷۔مائدہ:۸۷)

قل ارء یتم ما انزل اللّٰہ لکم من رزق فجعلتم منہ حراما و حلالا قل اللّٰہ اذن لکم ام علی اللّٰہ تفترون

ترجمۂ کنزالایمان: تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اُتارا، اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام وحلال ٹھہرایا، تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ (پ۱۱۔یونس:۵۹)

تفسیر خزائن العرفان میں ہے، اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو اپنی طرف سے حلال یا حرام کرنا ممنوع اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ آج کل بے شمار لوگ اس میں مبتلاء ہیں کہ ممنوعات کو حلال کہتے ہیں اور مباحات کو حرام۔ بعض سود، تصویروں، کھیل تماشوں، عورتوں کی بے پردگیوں، بھوک ہڑتال (جو خودکشی ہے) کو حلال ٹھہراتے ہیں اور بعض حلال کو حرام ٹھہرانے پر مصر ہیں، جیسے محفل میلاد، فاتحہ، گیارہویں شریف وغیرہ۔ اسی کو قرآن میں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا بتایا۔

نیز رحمتِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الحلال ما احل اللّٰہ فی کتابہٖ والحرام ما حرم اللّٰہ فی کتابہٖ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ

حلال وہ ہے جسے اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس چیز کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی تو وہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جنہیں معاف فرمایا گیا ہے۔ (ترمذی۔کتاب اللباس)

دوسری دلیل

اللہ عزّ وجل کا فرمانِ عالیشان ہے:

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا (پ۲۸۔الحشر:۷)

ترجمہ کنزالایمان: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

مذکورہ فرمانِ الٰہی عزّ وجل کی روشنی میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں حکم رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلاش کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سال بھر میں کل پانچ دِنوں میں روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے:

(۱) عید الفطر (۲) عید الاضحیٰ اور (۳،۴،۵) ایامِ تشریق (یعنی ۱۱،۱۲اور۱۳ ذی الحجہ۔تین دن)

جیسا کہ مسلم شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نھی عن صیام یومین یوم الاضحیٰ و یوم الفطر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو دِنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، یوم فطر اور یوم الاضحیٰ۔ (مسلم شریف، کتاب الصیام، جلد ا، صفحہ ۳۶۰)

اور مسلم شریف میں اسی مقام پر آگے مذکور ہوا:

عن نبیشۃ الھذلی قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایام التشریق ایام اکل وشرب

حضرت نُبَیْشَہ ھَذَلِی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایامِ تشریق کھانے اور پینے کے دن ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں احادیثِ کریمہ سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سال بھر میں پانچ دِنوں میں روزہ رکھنا منع فرمایا ہے۔

جبکہ نفل روزوں کے فضائل پر مشتمل احادیثِ کریمہ مطلق ہیں، جن سے بقیہ تمام دنوں میں روزہ رکھنے کا جواز بالکل ظاہر ہے۔

پس احناف (رحمہ اللہ) کے مسلمہ ضوابط یعنی اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِہٖ اور اَلْمُقَیَّدُ یَجْرِیْ عَلٰی تَقْیِیْدِہٖ کی رعایت کرتے ہوئے مذکورہ پانچ دِنوں میں روزہ حرام و ممنوع اور بقیہ تمام دنوں میں جائز و مشروع قرار دیا جائے گا۔

اصول الشاشی میں مولانا نظام الدین شاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی اصول کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

وان لم يعين الشرع له وقتا فانه لا يتعين الوقت له بتعيين العبد حتى لو عين العبد اياما لقضاء رمضان لا تتعين هى للقضاء ويجوز فيها صوم الكفارة ونفل ويجوز قضاء رمضان فيها وغيرها

اور اگر شریعت نے روزے کیلئے کوئی وقت مقرر نہ فرمایا ہو تو بندے کے معین کرنے سے اس کیلئے کوئی وقت معین نہیں ہوسکتا (کیونکہ یہ مطلق کو مقید کرنا ہے) حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے قضائے رمضان کیلئے چند دِنوں کو مخصوص کرلیا تو وہ دن صرف قضائے رمضان کیلئے ہی مخصوص نہ ہو جائینگے بلکہ ان میں کفارے اور نفل کے روزے بھی جائز ہیں اور قضائے رمضان اور اس کے علاوہ کے بھی۔

کچھ آگے مزید فرماتے ہیں:

ثم للعبدان يوجب شيئا على نفسه موقتا او غير موقت وليس له تغيير حكم الشرع مثاله اذا نذر ان يصوم يوما بعينه لزمه ذلك ولو صامه عن قضاء رمضان او عن كفارته جاز لان الشرع جعل القضاء مطلقا فلا يتمكن العبد من تغييره بالتقييد بغير ذلك اليوم (فصل المامور بہ نوعان، ص۳۹)

پھر بندے کیلئے جائز ہے کہ وہ خود پر تعین وقت کیساتھ یا بغیر کسی تعین کے کسی چیز کو لازم کرلے لیکن اس کیلئے جائز نہیں کہ حکم شرع کو تبدیل کردے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی معین دن میں روزہ رکھنے کی نذر مانی تو یہ روزہ اس پر لازم ہوجائیگا اور اگر اس نے اسی معین دن میں قضائے رمضان یا کفارۂ یمین کا روزہ رکھ لیا تو جائز ہے کیونکہ شرع نے قضائے رمضان کی ادائیگی کو مطلق رکھا ہے (یعنی ان کی ادائیگی کیلئے کسی خاص دن کی تعین نہیں فرمائی ہے) لہٰذا بندہ (من جانبِ شریعت) اس بات پر قادر نہیں کہ قضائے رمضان کو اس معین دن کے علاوہ دن کے ساتھ مقید کردے۔ (یعنی یوں کہ یہ دن تو نذر کے روزے کے ساتھ خاص ہوگیا لہٰذا اس میں قضائے رمضان ادا نہیں ہوسکتی)۔

مذکورہ مسئلے کے مطابق معترض بھی بارہویں شریف کے روزے کو منع کرکے صراحۃً نہیں تو دلالۃً دراصل یوں ثابت کرنا چاہتا ہے کہ شرعی حکم وارد ہوئے بغیر صرف میری عقلی دلیل سے سال کے پانچ دنوں کے علاوہ ایک دن اور بھی ہے، جس میں روزہ رکھنا منع ہے اور یہ ہی مطلق کو مقید کرنا ہے جو اس سلسلے میں قابل قبول کسی دلیل شرعی کے بغیر ہرگز جائز نہیں اور اہل علم پر مخفی نہیں اس مقام پر کسی آیتِ کریمہ یا حدیثِ متواتر و مشہورہ میں سے کسی کو بطورِ دلیل پیش کرنا لازم ہے۔

تیسری دلیل

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ

فما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأوسئ فهو عند الله سئ

پس جس شے یا فعل کو مسلمان اچھا گمان کریں وہ اللہ عزّ وجل کے نزدیک بھی اچھا ہے اور

جسے برا گمان کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی برا ہے۔ (مسند امام احمد بن حنبل۔ باقی مسند المکثرین)

اس روایت کی روشنی میں با آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ فی زمانہ کثیر مسلمان بارہ ربیع الاوّل کا روزہ رکھتے اور اسے نسبتِ میلادالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور باعثِ برکت ہونے کی وجہ سے اچھا و بہتر گمان بھی کرتے ہیں چنانچہ یہ عمل بارگاہِ ربّ العزت میں بھی مقبول و بہتر ہے اور جو عمل اللہ عزّ وجل کے نزدیک اچھا ہو اس سے روکنا یقیناً قبیح و مکروہ ہے۔

چوتھی دلیل

حدیثِ مبارکہ سے ماخوذ اصول ہے کہ جس تاریخ کو کسی خاص و محترم واقعہ سے نسبت ہو جائے اس دن بطورِ شکرانہ روزہ رکھنا جائز و مستحب اور محبوبانِ باری تعالیٰ کا طریقہ حسنہ رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ

قدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینة فرأى الیهود تصوم یوم عاشوراء

فقال ما هٰذا قالو هٰذا یوم صالح هٰذا یوم نجی الله بنی اسرائیل من عدوهم

فصامه موسیٰ قال فانا احق بموسیٰ منکم فصامه وامر بصیامه (بخاری۔ کتاب الصوم)

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ (یعنی دس محرم الحرام) کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ دریافت فرمایا، یہ کیا دن ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی، یہ عظمت والا دِن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات عطا فرمائی لہٰذا موسیٰ (علیہ السلام) نے (شکرانے کے طور پر) اس دن کا روزہ رکھا (چنانچہ ان کی اتباع میں ہم بھی روزہ رکھتے ہیں)۔ یہ سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، موسیٰ (علیہ السلام) کی موافقت کرنے میں بہ نسبت تمہارے میں زیادہ حق دار و قریب ہوں۔ چنانچہ آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی فرمایا۔

چونکہ حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ کریمہ یقیناً موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کی نجات اور غرقِ فرعون سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا اس روز بھی اللہ تعالیٰ کے اس نعمت کے عطا فرمانے کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ روزہ رکھنا بھی عین سنتِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پیروی قرار دیا جانا چاہئے۔

پانچویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعۃ المبارکہ کو مسلمانوں کیلئے عید کا دن قرار دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هٰذا یوم العید جعله اللّٰه المسلمین (ابن ماجہ۔ کتاب الاقامۃ)

بے شک یہ (جمعہ) عید کا دن ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے عید کا دن بنایا ہے۔

لیکن اس کے باوجود آپ کی جانب سے جمعۃ المبارکہ میں نفل روزے رکھنے کی فضیلت نقل کی گئی ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں کہ احادیثِ صحاح وحسان وصوالح میں اور بھی بہت روزوں کے فضائل آئے ہیں، جیسے کہ شش عید اور ایام بیض کہ ان میں سے ہر ایک سال بھر کے روزوں کا ثواب لاتا ہے کہ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها[1] وروزہ دوشنبہ وروزہ پنج شنبہ وورزہ چہارشنبہ وپنج شنبہ کہ دوزخ سے آزاد ہیں اور روزہ چہارشنبہ وپنج شنبہ وجمعہ کہ جنت میں گوہر ویاقوت وزبرجد کا گھر بناتے ہیں بلکہ روزہ جمعہ یعنی جبکہ اس کیساتھ پنج شنبہ یا شنبہ بھی شامل ہو، مروی ہوا کہ دس ہزار برس کے روزوں کے برابر ہے۔

مقامِ فکر ہے کہ حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایک دن کو بذاتِ خود عید کا دن قرار دینے کے باوجود اس میں روزہ رکھنے کو جائز قرار دیں اور جس دن کو ہماری عقیدت ومحبت عید قرار دے، اس دن روزہ رکھنا ناجائز وناپسندیدہ ہو جائے؟ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) اللہ تعالیٰ سمجھ اور قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔

یہاں تک پیش کردہ دلائل سے بخوابی واضح ہوگیا کہ سال میں پانچ روزوں کے علاوہ مزید کوئی بھی روزہ ممنوع نہیں بلکہ اگر کسی تاریخ کو کسی اہم واقعے سے نسبت ہوجائے تو اس میں روزہ رکھنا سنن انبیاء وصحابہ (علیہم السلام ورضی اللہ عنہم) ہے۔ لہٰذا بارہویں کا روزہ رکھنا جائز ودُرست اور باعثِ برکت ہے۔

جو شخص اس روزے کو ناجائز کہتے ہوئے منع کرے، شرعی لحاظ سے قابل مذمت اور گناہگار ٹھہرے گا، کیونکہ روزہ رکھنا ایک نیکی ہے اور نیکی کے راستے سے روکنا شیطان کا کام ہے اور شیطانی کام اختیار کرنے والا یقیناً قابل مذمت ہے۔ نیز کسی جائز چیز کو ناجائز قرار دینا شریعتِ مطہرہ پر افتراء ہے، جیسا کہ ثابت ہوا اور افتراءِ مذکورہ گناہ ہے۔ لہٰذا ایسا شخص گناہگار بھی ہوگا۔

---

[1] ترجمۂ کنزالایمان: جو ایک نیکی لائے تو اس کیلئے اس جیسی دس ہیں۔ (پ۸۔سورۃ الانعام:۱۶۰)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے **۲۷** رجب المرجب کے نفلی روزے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص ۲۷ رجب المرجب کو روزہ رکھے تو کس قدر مستحق ثوابِ کار ہوگا؟ اور نیز دوسرے روزوں میں؟ اور اگر کوئی منع کرے اوروں کو اور منکر ہو خود، تو وہ کون ہے، گناہگار ہے یا نہیں؟

آقائے نعمت، امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ثوابِ روزہ بیان کرنے کے بعد منع کرنے والے کے بارے میں ارشاد فرمایا:

روزہ سے منع کرنا' خیر سے منع کرنا اور مَنَّاعٌ لِلْخَيْرِ [1] کے وَبال میں داخل ہونا ہے، جب تک ذاتاً یا عارضاً ممانعتِ شرعیہ نہ ثابت ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰ جدید، ص ۶۵۱۔۶۵۳)

اور یہاں بھی روزہ بارہ ربیع الاوّل میں نہ تو ذاتاً کوئی ممانعتِ شرعیہ موجود ہے اور نہ عارضاً، جیسا کہ دلائل سے بیان کیا جا چکا۔

نیز اس کا بارہ ربیع الاوّل کے دن کو عید الفطر والاضحیٰ کے دِنوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، جس کا ارتکاب کم از کم کسی اہل علم سے ہرگز متوقع نہیں۔ (کما لا یخفی) **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب**

اللہ تعالیٰ 'ذاتی انا سے محفوظ رہتے ہوئے' تسلیم حق کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کـــتـــبـــہ

محمد اکمل عطا قادری عطاری عفی عنہ

۱۳ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ 16 اپریل 2003ء

---

[1] بھلائی سے بہت روکنے والا